۹۔ غزلیات

غزل - ۱

سراؔج اورنگ آبادی

پہلی بات : سراؔج کے زمانے کی اُردو زبان پر دکنی کے اثرات ہیں۔ بولنے کے ساتھ ساتھ اس زبان کا املا بھی آج کے املے سے مختلف تھا۔ جیسے مجھ/ مج، کو/کوں، تک/ تلک وغیرہ۔ ہمیں اپنی زبان کی قدیم صورت، اس کے تلفظ اور مزاج سے بھی واقف ہونا چاہیے۔ ذیل کی غزل میں اس کی اچھی مثالیں موجود ہیں۔

جان پہچان : سیّد شاہ سراج الدین سراؔج ۲۱/ مارچ ۱۷۱۲ء کو اورنگ آباد (مہاراشٹر) میں پیدا ہوئے۔ سراؔج کو صوفی شاعر کہا جاتا ہے۔ وہ مزاجاً اور عملاً صوفی تھے مگر ان کی شاعری پر تصوف کا غلبہ نظر نہیں آتا۔ وہ زندگی کو ایک عاشق کی نظر سے دیکھتے تھے۔ فارسی شعر و ادب سے انھیں بہت لگاؤ تھا۔ شاعری میں انھیں استادانہ مہارت حاصل تھی۔ ولؔی کے بعد وہ دکن کے سب سے نامور شاعر ہوئے۔ انھوں نے غزل کے علاوہ مرثیے، قصیدے، رباعیات، خمسے اور مثنویاں بھی لکھی ہیں۔ ان کا انتقال ۱۶/اپریل ۱۷۶۴ء میں اورنگ آباد میں ہوا۔

اوّل کی ، تم نے بھول گئے مہربانیاں
لانے لگے ہو خوب تغافل کی بانیاں

کیا ہووے گا ، سنوگے اگر کان دھر کے تم
گزری بِرہ کی رات جو مُج پر کہانیاں

دامن تلک بھی ہائے ، مجھے دسترس نہیں
کیا خاک میں ملی ہیں مری جاں فشانیاں

داغِ فراق ، لالۂ باغِ خیال ہے
رہ گَیں مرے جگر میں تمھاری نشانیاں

شاید کسی کے قتل کی ہوتی ہے مصلحت
رمزیں تری نگاہ کی سب ہم نے جانیاں

مُج دل کے کوہِ طور کوں ، سرمہ کیے ہو تم
باقی ہیں اب تلک بھی وہی لن ترانیاں

کب لگ روا رکھوگے تغافل سراؔج پر
اب اس قدر بھی خوب نہیں سرگرانیاں

معانی واشارات

اوّل کی	-	پہلے کی
تغافل	-	بے توجہی، غفلت کرنا
بانیاں	-	باتیں
کان دھر کے	-	توجہ سے
برہ	-	ہجر، جدائی
جاں فشانیاں	-	جان چھڑکنا، قربانیاں، کوششیں
داغِ فراق	-	جدائی کا غم
لالۂ باغِ خیال	-	تصوّر کے باغ کا پھول
رمزیں	-	رمز کی جمع، اشارے
جانیاں	-	جانتے ہیں
کوئں	-	کو
لن ترانیاں	-	مراد اکڑ، غرور، یہ کلمہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ سے اس وقت کہا تھا جب حضرت موسیٰؑ نے کوہِ طور پر اللہ تعالیٰ سے کہا کہ میں تجھے دیکھنا چاہتا ہوں تو جواب میں اللہ نے کہا 'لن ترانی' (تو مجھے نہیں دیکھ سکتا)
سرمہ کرنا	-	توڑ دینا، شکست دینا، ریزہ ریزہ کرنا
کب لگ	-	کب تک
سرگرانیاں	-	اکڑ

مشقی سرگرمیاں

* غزل پڑھ کر ذیل کی سرگرمیوں کو ہدایات کے مطابق مکمل کیجیے۔

۱۔ غزل کی دو خصوصیات کو واضح کیجیے۔

۲۔ قتل کی مصلحت سے متعلق شاعر کا خیال بیان کیجیے۔

۳۔ 'شاعر کے جل کر مر جانے کے بعد بھی محبوب اپنا جلوہ دِکھانے کو تیار نہیں ہے۔' اس مفہوم کے شعر کو نقل کیجیے۔

۴۔ غالب کے شعر؎

بے نیازی حد سے گزری بندہ پرور کب تلک
ہم کہیں گے حالِ دِل اور آپ فرماویں گے کیا

کے مفہوم والے شعر کو نقل کیجیے۔

۵۔ غزل کے قوافی سے ایسے قافیے نقل کیجیے جن کے واحد بنائے جاسکیں۔

۶۔ غزل سے استعارے کا شعر نقل کیجیے اور مستعار لہٗ اور مستعار منہٗ کو خط کشیدہ کیجیے۔

۷۔ تلمیح کا شعر لکھ کر واقعہ تحریر کیجیے۔

* درج ذیل شعر کی تشریح مختصراً اپنے الفاظ میں تحریر کیجیے۔

دامن تلک بھی ہائے ، مجھے دسترس نہیں
کیا خاک میں ملی ہیں میری جاں فشانیاں

* داغِ فراق یعنی جدائی کا غم ...اس طرح زیر اضافت کے ساتھ چار نئے الفاظ بنائیے۔

* 'باقی ہیں اب تلک بھی وہی لن ترانیاں'
مصرعے میں خط کشیدہ لفظ کے ایک معنی ڈینگیں مارنا بھی ہے۔اس معنی کی روشنی میں مصرعے کی وضاحت کیجیے۔

* جان پہچان کی مدد سے شاعر کا رواں خاکہ مکمل کیجیے۔

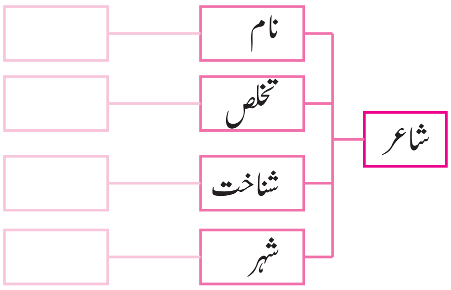

* ذیل کا شبکی خاکہ مکمل کیجیے۔

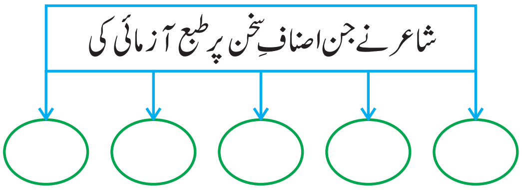

غزل - ۲

میر درؔد

پہلی بات : شاعری میں ہمیں کئی اشعار ایسے بھی مل جاتے ہیں جنھیں سن کر ہم سوچ میں پڑ جاتے ہیں کہ شاعر نے یہ بات کس سے کہی ہے یا کس کے تعلق سے کہی ہے۔ عشقِ الٰہی میں کہے گئے اشعار کو عشقِ حقیقی کا نام دیا گیا ہے، محبوب سے تعلق کی بات عشقِ مجازی کہلاتی ہے۔ بعض اشعار دونوں مفاہیم کو ادا کرتے ہیں۔ یہ صوفیانہ شاعری کا طرزِ اظہار ہے۔ تصوف کا مقصد خدا اور بندے کے تعلق کو مضبوط کرنا ہے۔ میر درؔد کے اکثر اشعار تصوف کے رنگ میں ڈوبے ہوئے ہیں۔

جان پہچان : میر درؔد کا نام سیّد خواجہ میر تھا۔ وہ ۱۷۲۱ء میں دہلی میں پیدا ہوئے۔ ان کی پرورش مذہبی ماحول میں ہوئی تھی۔ درؔد نے عربی و فارسی کی تعلیم حاصل کی۔ وہ جوانی ہی میں درویشی اختیار کر چکے تھے۔ فکر و خیال اور سیرت و عمل کے اعتبار سے ان کی زندگی پاکیزگی کی مثال تھی۔ صوفیانہ شاعری میں درؔد کا ایک ممتاز مقام ہے۔ ان کے اُردو دیوان میں تقریباً پندرہ سو اشعار ملتے ہیں۔ ان کے کلام میں سادگی اور روانی کے ساتھ پاکیزگی بھی پائی جاتی ہے۔ ۱۷۸۵ء میں ان کا انتقال ہوا۔

عشق ہر چند مری جان سدا کھاتا ہے
پر یہ لذت تو وہ ہے ، جی ہی جسے پاتا ہے

آہ ، کب تک میں بکوں ، تیری بَلا سنتی ہے
باتیں لوگوں کی جو کچھ دل مجھے سنواتا ہے

ہم نشیں ، پوچھ نہ اس شوخ کی خوبی مجھ سے
کیا کہوں تجھ سے ، غرض جی کو مرے بھاتا ہے

بات کچھ دِل کی ہمارے تو نہ سُلجھی ہم سے
آپ خوش ہووے ہے پھر آپ ہی گھبراتا ہے

جی کڑا کرکے ترے کوچے سے جب جاتا ہوں
دلِ دشمن یہ مجھے گھیر کے پھر لاتا ہے

درؔد کی قدر مرے یار سمجھنا ، واللہ
ایسا آزاد ترے دام میں یوں آتا ہے

معانی واشارات

ہر چند	-	ہر حال میں
جان کھانا	-	تکلیف دینا، پریشان کرنا
تیری بلا سنتی ہے	-	مراد تو نہیں سنتا
واللہ	-	اللہ کی قسم
دام میں آنا	-	پھنس جانا

مشقی سرگرمیاں

* غزل کا بغور مطالعہ کرکے ذیل کی سرگرمیوں کو ہدایات کے مطابق مکمل کیجیے۔

۱۔ عشق جان کھاتا ہے، شاعر پھر بھی عشق کرتا ہے۔ وجہ بیان کیجیے۔
۲۔ شاعر اپنے محبوب کو جس نام سے یاد کرتا ہے اسے لکھیے۔
۳۔ دل کے معاملے میں شاعر کی پریشانی واضح کیجیے۔
۴۔ شاعر اپنے دل کو دشمن کہتا ہے، اس کا سبب تحریر کیجیے۔
۵۔ درد کی قدر کرنے کی نصیحت کا راز بیان کیجیے۔
۶۔ غزل کے عمومی موضوع کو واضح کیجیے۔
۷۔ غزل سے ردیف/ قافیے ترتیب وار لکھیے۔
۸۔ غزل سے تین محاوروں کو تحریر کیجیے۔

* ذیل کے شعر کی استحسانی وضاحت کیجیے۔

ہم نشیں ، پوچھ نہ اس شوخ کی خوبی مجھ سے
کیا کہوں تجھ سے ، غرض جی کو مرے بھاتا ہے

* شعر لکھیے۔

مقطع ....
مطلع ....

* غزل کے دو مصرعوں میں شاعر نے لفظ 'جی' استعمال کیا ہے۔ جی سے مراد ....

* 'عشق ہر چند مری جان سدا کھاتا ہے' مصرعے کی روشنی میں عشق کی وضاحت کیجیے۔

اُردوئے معلّیٰ (مکاتیب)

غالبؔ کے خطوط کا یہ مجموعہ ان کی وفات کے چار مہینے بعد شائع ہوا تھا۔ اب تک اس کے متعدد ایڈیشن نکل چکے ہیں۔ مولوی مہیش پرشاد نے مطبوعہ خطوط کا مقابلہ اصل خطوط سے کرکے ایک نسخہ مرتب کیا تھا جس کی صرف پہلی جلد شائع ہوسکی۔ لاہور میں مولانا غلام رسول مہرؔ نے غالبؔ کے تمام اُردو خطوط تاریخ وار مرتب کرکے ایک مجموعہ چھاپا تھا۔ 'اُردوئے معلّیٰ' خاصی مدت تک برِّعظیم کے فوجی اور شہری عہدوں کے انگریز اُمیدواروں کے امتحان (آنرز) کے لیے بطور نصاب مقرر رہا اور اُردو گائیڈ پریس کلکتہ نے ۱۸۸۳ء میں اس کا ایک نہایت عمدہ نسخہ ان اُمیدواروں کے لیے ٹائپ میں شائع کردیا۔ اب یہ ایڈیشن نایاب ہے۔ کتاب کی پشت پر یہ انگریزی عبارت تھی: For the Degree of Honours Examination in Urdu. For Officers in the Military and Civil Services.

اُردوئے معلّیٰ (ماہنامہ)

مولانا حسرتؔ موہانی کا یہ رسالہ اُنیسویں صدی کے آغاز میں علی گڑھ سے جاری ہوا تھا۔ اگرچہ اس کا اصل مقصد اُردو علم و ادب کی خدمت تھا لیکن اس میں ابتدا ہی سے سیاسی مضامین بھی چھپنے لگے تھے۔ مولانا حسرتؔ کا عقیدہ تھا کہ آزادی اہلِ ملک کا حق ہے اور حق کے اظہار میں باک نہ ہونا چاہیے۔ 'اُردوئے معلّیٰ' بھلے برے طریق پر جاری رہا۔ پھر مولانا نے علیٰحدہ سے 'استقلال' کے نام سے ایک مختصر اخبار جاری کرلیا تھا جس میں سیاسی مضامین چھپتے تھے۔ بیشتر اُردو اساتذۂ شعر کے انتخابات ترتیب وار 'اُردوئے معلّیٰ' میں شائع ہوتے رہے۔ اس طرح اُردو اشعار کا بہت بڑا ذخیرہ اس اخبار کی بدولت محفوظ ہوگیا۔ مولانا نے حجازِ مقدس اور یورپ کے سفر کیے تھے جن کی روداد یں 'اُردوئے معلّیٰ' میں چھپتی تھیں۔ مولانا کا کلام بھی اوّلاً اسی میں شائع ہوتا تھا۔

غزل - ۳

شیخ غلام ہمدانی مصحفؔی

پہلی بات : مختلف شاعروں کے موضوعات میں لب و لہجے اور لفظیات کے اعتبار سے فرق پایا جاتا ہے۔ دہلی اور لکھنؤ کے شاعروں میں یہ فرق نمایاں طور پر دیکھا جاسکتا ہے۔ لکھنؤ کی سرزمین سے اُبھرنے والے شاعروں کے ہاں لفظوں کا انتخاب اور زبان کو سنوارنے کا خاص اہتمام ملتا ہے۔ اس کے برعکس دہلی میں خیال کی سادگی کے اعتبار سے شاعری نے اپنا مخصوص انداز اختیار کیا۔ مصحفؔی کے ہاں دہلی اور لکھنؤ کے رنگ نمایاں ہیں۔

جان پہچان : مصحفؔی کی پیدائش ۱۷۴۷ء میں اکبر پور (امروہہ) میں ہوئی۔ یہیں انھوں نے ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ پھر اعلیٰ تعلیم کی غرض سے وہ دلّی گئے۔ دلّی میں ان کی شاعری کو فروغ حاصل ہوا۔ اس شہر کی تباہی کے بعد وہ لکھنؤ آکر شہزادہ مرزا سلیمان شکوہ کے ملازم ہوگئے۔ مصحفؔی ایک قادرالکلام شاعر تھے۔ وہ اُردو، فارسی کے علاوہ عربی پر بھی عبور رکھتے تھے۔
مصحفؔی کے کلام میں ملکی خصوصیات اور مقامی رنگ کے علاوہ حب الوطنی کا جذبہ خاص طور پر نمایاں ہے۔ ان کی چند مثنویاں مشہور ہیں جن میں 'سردی، اجوائن، غریب خانۂ مصحفؔی، موذی خانہ' وغیرہ قابلِ ذکر ہیں۔ فارسی اور اُردو میں ان کے آٹھ دیوان شائع ہوچکے ہیں۔ ان کا انتقال ۱۸۲۴ء میں ہوا۔

نہ گیا کوئی عدم کو ، دلِ شاداں لے کر
یاں سے کیا کیا نہ گئے حسرت و ارماں لے کر

باغ وہ دشتِ جنوں تھا کہ کبھی جس میں سے
لالہ و گل گئے ثابت نہ گریباں لے کر

پردۂ خاک میں سو سو رہے جاکر ، افسوس
پردہ رخسار پہ کیا کیا ، مہِ تاباں لے کر

ابر کی طرح سے کر دیویں گے عالم کو نہال
ہم جدھر جاویں گے یہ دیدۂ گریاں لے کر

پھر گئی سوئے اسیرانِ قفس ، بادِ صبا
خبرِ آمدِ ایامِ بہاراں لے کر

رنج پر رنج جو دینے کی ہے خو قاتل کی
ساتھ آیا ہے بہم تیغ و نمک داں لے کر

مصحفؔی گوشۂ عزلت کو سمجھ تختِ شہی
کیا کرے گا تو عبث ملکِ سلیماں لے کر

معانی و اشارات

عدم	موجودات کا فنا ہوجانا، مُراد آخرت	نہال کرنا	خوش کرنا
دلِ شاداں	خوش دل	دیدۂ گریاں	روتی ہوئی آنکھ

سوئے اسیرانِ قفس	{	پنجرے کے قیدیوں کی طرف
خبرِ آمدِ ایامِ بہاراں	{	بہار کے موسم کے آنے کی خبر

گوشۂ عزلت	-	تنہائی کا کونا
تختِ شہی	-	شاہی تخت
عبث	-	بیکار

مشقی سرگرمیاں

* **غزل کا بغور مطالعہ کر کے ذیل کی سرگرمیوں کو ہدایات کے مطابق مکمل کیجیے۔**

۱۔ عدم کے مسافر کے ہم سفروں کے نام لکھیے۔

۲۔ 'خاک میں کیا صورتیں ہوں گی کہ پنہاں ہوگئیں' اس مصرعے کے مفہوم والا مصرعہ نقل کیجیے۔

۳۔ قاتل کے تیغ و نمک داں ساتھ لانے کا سبب لکھیے۔

۴۔ اس مقام کا نام لکھیے جہاں بادِ صبا موسمِ بہار کی خبر لے گئی۔

۵۔ غزل سے ایسے اشعار کو شناخت کیجیے جن میں شاعر اپنے بارے میں کچھ کہہ رہا ہے۔

۶۔ مقطع کا مطلب واضح کیجیے۔

۷۔ غزل سے تشبیہ کا شعر نقل کر کے مشبّہ اور مشبہ بہ کو نشان زد کیجیے۔

۸۔ غزل سے تلمیح کا شعر لکھیے۔

۹۔ مصحفی کی غزل سے مبالغے کا شعر تلاش کر کے لکھیے۔

* **شعر کی تشریح کیجیے۔**

نہ گیا کوئی عدم کو ، دل شاداں لے کر
یاں سے کیا کیا نہ گئے حسرت و ارماں لے کر

* **فقرے کے لیے مناسب لفظ لکھیے۔**

مثلاً : روتی ہوئی آنکھ - دیدۂ گریاں

۱۔ دیکھنے والی آنکھ ۲۔ دل کی آنکھ

اضافی مطالعہ

مخففات و نشانات

اس کتاب میں اُردو لکھنے کے لیے جو رسم الخط استعمال کیا گیا ہے، اسے نستعلیق کہتے ہیں۔ اس طرزِ تحریر میں چند مخصوص مخففات اور نشانات کا چلن عام ہے۔ ان کی معلومات آپ کو اُردو پڑھتے وقت مددگار ثابت ہوگی۔

.1	ب	بیت/شعر کا نشان	مکمل شعر یا بند لکھنے سے پہلے بنایا جاتا ہے۔
.2	ع / ء / ع	مصرع کا نشان	مصرع لکھنے سے پہلے بنایا جاتا ہے۔
.3	؎	اسے خطِ بت کہتے ہیں۔	یہ نشان شاعر کے تخلص پر بنایا جاتا ہے۔
.4	و-الف	'ورق اُلٹیے' کا مخفف ہے۔	تحریر میں ورق کی آخری سطر کے بعد لکھا جاتا ہے۔ انگریزی مخفف PTO (Please turn over) کا متبادل ہے۔
.5	الخ	یہ 'الٰی آخرہٖ' کا مخفف ہے یعنی عبارت کے آخر تک	عبارت یا شعر کو مکمل نقل کرنے کی بجائے عبارت کے ابتدائی الفاظ لکھ کر اسے لکھا جاتا ہے۔ اس سے مکمل عبارت مراد ہوتی ہے۔
.6	...	کم سے کم تین یا تین سے زائد نقطے	عبارت یا متن سے کسی لفظ یا کسی حصے کو حذف یا ختم کرتے ہوئے ان کی جگہ یہ نشان بنایا جاتا ہے۔

(صفحہ ۹۰ پر جاری)

غزل - ۴

فانؔی بدایونی

پہلی بات: ہندی زبان کی ایک کہاوت ہے:

جہاں نہ پہنچے روی، وہاں پہنچے کوی

یعنی سورج جہاں نہیں پہنچ پاتا، شاعر اپنی سوچ اور تخیل کی مدد سے وہاں پہنچ جاتا ہے۔ شاعری میں انسان، زندگی اور کائنات کے بارے میں عجیب وغریب خیالات ملتے ہیں جو ہمیں محسوسات کی ایک الگ دنیا میں لے جاتے اور غور وفکر پر آمادہ کرتے ہیں۔ فانؔی بدایونی کی اس غزل میں بھی ایسی ہی بصیرت افروز باتیں بیان کی گئی ہیں۔

جان پہچان: فانؔی کا اصل نام شوکت علی خان تھا۔ وہ ۱۳ر ستمبر ۱۸۷۹ء کو اُتر پردیش کے ضلع بدایوں میں پیدا ہوئے۔ بریلی کالج سے بی اے پاس کرنے کے بعد وہ کچھ عرصے تک مدرّس رہے۔ بعد میں ملازمت ترک کر کے علی گڑھ میں ایم اے او کالج (موجودہ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی) سے ایل ایل بی کی ڈگری حاصل کی۔ ۱۹۳۲ء میں مہاراجا کشن پرشاد کی دعوت پر حیدر آباد پہنچے۔ وہاں ایک سرکاری اسکول میں ہیڈ ماسٹر ہوگئے۔ فانؔی کی شاعری میں درد وغم کے مضامین کی کثرت کے سبب فانؔی کو 'یاسیت کا امام' کہا جاتا ہے۔ 'عرفانیاتِ فانؔی، وجدانیاتِ فانؔی' اور 'باقیاتِ فانؔی' ان کے شعری مجموعے ہیں۔ ۲۷ر اگست ۱۹۶۱ء کو حیدر آباد میں ان کا انتقال ہوا۔

خلق کہتی ہے جسے دل ترے دیوانے کا
ایک گوشہ ہے یہ دنیا اسی ویرانے کا

اک معمّا ہے ، سمجھنے کا نہ سمجھانے کا
زندگی کاہے کو ہے ، خواب ہے دیوانے کا

زندگی بھی تو پشیماں ہے یہاں لا کے مجھے
ڈھونڈتی ہے کوئی حیلہ مرے مر جانے کا

تم نے دیکھا ہے کبھی گھر کو بدلتے ہوئے رنگ
آؤ ، دیکھو نا ، تماشا مرے غم خانے کا

دل سے پہنچی تو ہیں آنکھوں میں ،لہو کی بوندیں
سلسلہ شیشے سے ملتا تو ہے پیمانے کا

ہر نفس عمرِ گزشتہ کی ہے میّت ، فانؔی
زندگی نام ہے مر مر کے جیے جانے کا

معانی واشارات

پشیماں - شرمندہ

حیلہ - بہانہ

عمرِگزشتہ - گزری ہوئی عمر

مشقی سرگرمیاں

* غزل پڑھ کر ذیل کی سرگرمیوں کو ہدایات کے مطابق مکمل کیجیے۔

۱۔ شاعر کے مطابق دنیا کی حیثیت لکھیے۔
۲۔ زندگی کے متعلق فانؔی کا نظریہ بیان کیجیے۔
۳۔ دل اور آنکھوں کے لیے استعمال کیے گئے استعارے لکھیے۔
۴۔ 'اس غزل میں ناامیدی اور یاسیت کا رنگ ہے۔' اس بیان کی موافقت میں دو مثالیں دیجیے۔

* فانؔی بدایونی سے متعلق رواں خاکہ مکمل کیجیے۔

۱۸۷۹ء	
۱۹۳۲ء	
۱۹۴۱ء	

* ذیل کے شعر کی استحسانی وضاحت کیجیے۔

زندگی بھی تو پشیماں ہے یہاں لا کے مجھے
ڈھونڈتی ہے کوئی حیلہ مرے مر جانے کا

* شاعر سے متعلق شبکی خاکہ مکمل کیجیے۔

شاعر:
- نام: ....
- تخلص: ....
- ڈگری: ....
- ہیڈ ماسٹر: ....

فانؔی بدایونی کے شعری مجموعے: ( ) ( ) ( )

* ہدایت کے مطابق شعر لکھیے۔

مطلع	
حسنِ مطلع	
مقطع	
استعارہ	

(صفحہ ۸۸ سے آگے)

اضافی مطالعہ

مخفّفات ونشانات

اس کتاب میں اُردو لکھنے کے لیے جو رسم الخط استعمال کیا گیا ہے، اسے نستعلیق کہتے ہیں۔ اس طرزِ تحریر میں چند مخصوص مخفّفات اور نشانات کا چلن عام ہے۔ ان کی معلومات آپ کو اُردو پڑھتے وقت مددگار ثابت ہوگی۔

.7	" ــــ"ــــ	اس کا نام 'ایضاً' ہے۔ Ditto یا do کا بدل	عبارت کو دوبارہ نقل کرنے کی بجائے یہ نشان بنایا جاتا ہے یعنی حسبِ بالا / اوپر کی طرح
.8	/	ترچھا خط / لکیر	تحریر میں رقم، تاریخ یا وزن کے ہندسے لکھنے کے بعد اور کبھی کبھی دو یکساں چیزوں کے درمیان یا / or کے معنی میں استعمال کیا جاتا ہے۔
.9	ؑ	علیہ السلام کا مخفف	تمام انبیا کے ناموں کے اوپر یہ نشان لگایا جاتا ہے۔ اسے دیکھ کر ہمیں "علیہ السلام" پڑھنا چاہیے۔

غزل - ۵

معین احسن جذبؔی

پہلی بات : ہماری روزمرہ زندگی میں جہاں ہمیں راحتیں اور خوشیاں میسر آتی ہیں، وہیں دُکھوں اور پریشانیوں کا بھی سامنا کرنا پڑتا ہے۔ ہم اپنا غم کسی کو سنا دیں تو دل کا بوجھ اُتر جاتا ہے۔ غزلوں میں غمِ جاناں یعنی محبت کے غم بیان کیے جاتے ہیں، وہیں غمِ دوراں یعنی زمانے کی مشکلات کا بیان بھی ملتا ہے۔ شاعر اپنے دکھوں کا اظہار اس طرح کرتا ہے کہ ہم متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتے۔ جذبؔی کی غزل اسی انداز کی نمائندگی کرتی ہے۔

جان پہچان : معین احسن جذبؔی ۲۱؍ اگست ۱۹۱۲ء کو مبارک پور، ضلع اعظم گڑھ میں پیدا ہوئے۔ انھوں نے جھانسی، لکھنؤ، آگرہ اور دہلی میں تعلیم حاصل کی۔ ایم اے پاس کرنے کے بعد ملازمت کی غرض سے مختلف شہروں میں قیام کیا۔ پھر شعبۂ اُردو کے استاد کی حیثیت سے وہ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے وابستہ ہوگئے۔ معین احسن جذبؔی کو بچپن ہی سے شاعری کا شوق تھا۔ 'فروزاں'، 'سخنِ مختصر' اور 'گدازِ شب' ان کے شعری مجموعے ہیں۔ انھیں اقبال سمّان اور غالب ایوارڈ سے سرفراز کیا گیا تھا۔ جذبؔی ترقی پسند دور کے اہم شعرا میں شمار کیے جاتے ہیں۔ ان کی شاعری کا خاص وصف ان کے لہجے کا دھیما پن اور غنائیت ہے۔ ۱۳؍ فروری ۲۰۰۵ء کو علی گڑھ میں ان کا انتقال ہوا۔

عیش سے کیوں خوش ہوئے ، کیوں غم سے گھبرایا کیے
زندگی کیا جانے کیا تھی اور کیا سمجھا کیے

ناخدا بے خود ، فضا خاموش ، ساکت موجِ آب
اور ہم ساحل سے تھوڑی دور پر ڈوبا کیے

وہ ہوائیں ، وہ گھٹائیں ، وہ فضا ، وہ اُس کی یاد
ہم بھی مضرابِ اَلم سے سازِ دل چھیڑا کیے

مختصر یہ ہے ہماری داستانِ زندگی
اک سکونِ دل کی خاطر عمر بھر تڑپا کیے

کاٹ دی یوں ہم نے ، جذبؔی ، راہِ منزل کاٹ دی
گر پڑے ہر گام پر ، ہر گام پر سنبھلا کیے

معانی واشارات

ناخدا	-	ملاح، رہنما
ساکت	-	بے حرکت، خاموش
مضرابِ الم	-	مُراد دکھ کو اُبھارنے والا
گام	-	قدم

مشقی سرگرمیاں

* غزل کا بغور مطالعہ کرکے ذیل کی سرگرمیوں کو ہدایات کے مطابق مکمل کیجیے۔

۱۔ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں جذبؔی کا عہدہ لکھیے۔
۲۔ شاعر کے زندگی کو نہ سمجھنے کا سبب بیان کیجیے۔
۳۔ شاعر کے ڈوبنے کا منظر اپنے لفظوں میں لکھیے۔
۴۔ شاعر کی داستانِ حیات کا تضاد بیان کیجیے۔
۵۔ غزل سے استعارے کا شعر نقل کرکے مستعار منۂ اور مستعار لۂ کو نشان زد کیجیے۔
۶۔ شاعر کے زندگی گزارنے کے انداز کو بیان کیجیے۔
۷۔ غزل کے حوالے سے جذبؔی کی شاعری کے خاص وصف پر روشنی ڈالیے۔
۸۔ اپنے پسندیدہ شعر کی تشریح اپنے لفظوں میں کیجیے۔
۹۔ غزل کے ردیف اور قافیوں کی فہرست بنائیے۔

* شبکی خاکہ مکمل کیجیے۔

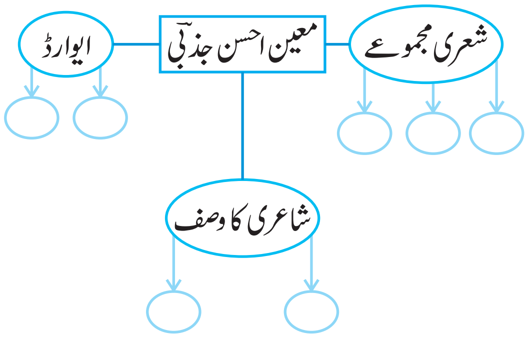

* ہدایت کے مطابق عمل کیجیے۔

۱۔ ایسا مصرعہ لکھیے جس میں ہم معنی الفاظ آئے ہیں۔
۲۔ وہ مصرعہ لکھیے جس میں دُکھ کی داستان بیان کی گئی ہے۔
۳۔ وہ مصرعہ لکھیے جس میں سکون کے لیے مسلسل پریشان رہنے کا ذکر ہے۔
۴۔ وہ مصرعہ لکھیے جس میں گرنے، سنبھلنے کا ذکر ہے۔

اضافی معلومات

نظم

'نظم' عربی زبان کا لفظ ہے۔ لغت میں اس کے معنی ہیں 'لڑی میں موتی پرونا'۔ ادبی اصطلاح کے طور پر 'نظم' کا لفظ دو معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ ایک تو یہ لفظ نثر کی ضد کے طور پر بولا جاتا ہے یعنی ہر وہ کلام جو نثر نہ ہو، نظم ہے۔ دوسرے مفہوم کے مطابق نظم شاعری کی اس صنف کو کہتے ہیں جس میں کسی خاص موضوع پر تسلسل کے ساتھ اظہارِ خیال کیا جائے۔ موجودہ دور میں ہیئت کے اعتبار سے نظم کی تین قسمیں مقرر کی گئی ہیں: پابند نظم، معریٰ نظم اور آزاد نظم۔ پابند نظم ایسی نظم ہے جس میں بحر کے استعمال اور قافیوں کی ترکیب میں مقررہ اُصولوں کی پابندی کی گئی ہو۔ مربع، مخمس، مسدس، ترکیب بند، ترجیع بند، گیت وغیرہ بھی پابند نظم کی ہی مختلف شکلیں ہیں۔ معریٰ نظم ایسی نظم ہے جس کے تمام مصرعے وزن کے لحاظ سے برابر ہوں مگر اس میں قافیے نہیں استعمال کیے جاتے۔ آزاد نظم ایسی نظم ہے جس میں نہ تو قافیے کی پابندی کی گئی ہو اور نہ بحر کے استعمال میں مروّجہ اُصولوں کا لحاظ رکھا گیا ہو بلکہ مصرعے چھوٹے بڑے ہوں۔ اُردو میں آزاد نظم کا رواج انگریزی نظم کی تقلید سے ہوا۔ اُنیسویں صدی کے اواخر میں جب ہندوستان میں انگریزوں کا عمل دخل بڑھا اور انگریزی زبان و ادب کے اثرات بڑھنے لگے تو ان کے نتیجے میں آزاد نظم کا چلن بھی اُردو میں عام ہوا۔ روایت کی پاسداری کرنے والوں نے اُردو میں آزاد نظم کی قبولیت کو ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھا لیکن رفتہ رفتہ آزاد نظم نے ہماری ادبی تاریخ میں اپنی مستقل جگہ بنالی۔ اِن دنوں معریٰ اور آزاد نظم کے ساتھ ساتھ نثری نظم بھی اُردو میں عام ہوتی جارہی ہے۔

غزل - ٦

راجندر منچندہ باؔنی

پہلی بات : غزل کی شاعری میں یوں تو ہر طرح کے مضامین نظم کیے جاتے ہیں لیکن شاعران میں زیادہ تر اپنی ذات پر گزرنے والے حالات کا تذکرہ کرتا ہے۔ ذیل کی غزل کی ردیف 'میرے لیۓ' سے واضح ہے کہ اس کے ہر شعر میں شاعر کا اپنا تجربہ بیان کیا گیا ہے۔

جان پہچان : راجندر منچندہ باؔنی کی پیدائش ۱۲/نومبر ۱۹۳۲ء کو ہوئی۔ ابتدائی تعلیم کے بعد وہ اپنے خاندان کے ساتھ دہلی منتقل ہو گئے جہاں انھوں نے تدریس کا پیشہ اختیار کیا۔ باؔنی کا تعلق اُردو کے نئے شاعروں کی اس نسل سے ہے جس نے غزل کو نیا رنگ و آہنگ عطا کیا۔ باؔنی کی غزلیں ایک نئے طرزِ احساس کی نمائندگی کرتی ہیں۔ ان کے زبان و بیان میں تازگی ہے۔ اُردو غزل کی روایت میں باؔنی اپنی الگ پہچان رکھتے ہیں۔ 'حرفِ معتبر، حساب رنگ' اور 'شفق شجر' ان کے شعری مجموعے ہیں۔ ۱۱/اکتوبر ۱۹۸۱ء کو دہلی میں ان کا انتقال ہوا۔

تمام راستہ پھولوں بھرا ہے میرے لیے
کہیں تو کوئی دعا مانگتا ہے میرے لیے

تمام شہر ہے دشمن ، تو کیا ہے میرے لیے
میں جانتا ہوں ترا در کھلا ہے میرے لیے

مجھے بچھڑنے کا غم تو رہے گا ، ہم سفرو
مگر سفر کا تقاضا جدا ہے میرے لیے

عجیب درگزری کا شکار ہوں اب تک
کوئی کرم ہے نہ کوئی سزا ہے میرے لیے

گزر سکوں گا نہ اس خواب خواب بستی سے
یہاں کی مٹی بھی زنجیر پا ہے میرے لیے

اب آپ جاؤں تو جاکر اسے سمیٹوں میں
تمام سلسلہ بکھرا پڑا ہے میرے لیے

یہ کیسے کوہ کے اندر مَیں دفن تھا ، باؔنی
وہ ابر بن کے برستا رہا ہے میرے لیے

معانی واشارات

درگزری - بے توجہی
زنجیرِ پا - پاؤں کی زنجیر، اڑچن، روکنے والی

مشقی سرگرمیاں

* غزل کا بغور مطالعہ کرکے ذیل کی سرگرمیوں کو ہدایات کے مطابق مکمل کیجیے۔

۱۔ غور کیجیے اور اس فرد کی نشاندہی کیجیے جس کی دعا سے شاعر کا راستہ پھولوں سے بھرا ہے۔

۲۔ غزل کے پس منظر میں 'سفر کا تقاضا جدا ہے' کو واضح کیجیے۔

۳۔ 'دربدری' کے احساس کا سبب لکھیے۔

۴۔ غزل سے تضاد کا شعر نقل کرکے متضاد الفاظ کو خط کشیدہ کیجیے۔

۵۔ قافیوں کے علاوہ قافیے کے ہم صوت الفاظ غزل سے تلاش کرکے لکھیے۔

۶۔ غزل کے مقطع کے مفہوم کو اپنے الفاظ میں بیان کیجیے۔

۷۔ حمد کا مفہوم رکھنے والا شعر تلاش کرکے لکھیے۔

* راجندر منچندہ باؔنی سے متعلق خاکہ مکمل کیجیے۔

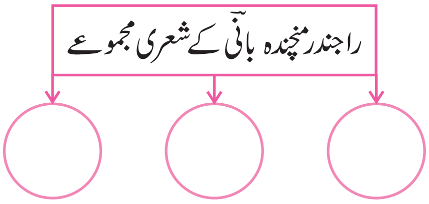

* غزل کی مدد سے ستون الف اور ستون ب کے لفظوں کی جوڑیاں لگائیے۔

ستون الف	ستون ب
راستہ	خواب
شہر	زنجیر پا
مٹی	پھول
بستی	دشمن

* درج ذیل اشعار کی استحسانی وضاحت کیجیے۔

تمام راستہ پھولوں بھرا ہے میرے لیے
کہیں تو کوئی دعا مانگتا ہے میرے لیے

گزر سکوں گا نہ اس خواب بستی سے
یہاں کی مٹی بھی زنجیر پا ہے میرے لیے

اضافی معلومات

شعری ہیئتیں

مسمّط : شعری کی اصطلاح میں مسمّط ایسی نظم کو کہتے ہیں جو کئی بندوں میں اور قافیوں کی مخصوص ترتیب سے لکھی جائے۔ مسمّط کے ایک بند میں اشعار کی تعداد تین سے لے کر دس تک ہوتی ہے۔ اس کے ہر بند میں مصرعوں کی تعداد برابر ہونی چاہیے۔ یعنی پہلا بند اگر پانچ مصرعوں کا ہے تو بعد کے تمام بند بھی پانچ پانچ مصرعوں کے ہوں گے۔ مسمّط کی آٹھ قسمیں ہیں : مثلّث (ہر بند میں تین مصرے ہوتے ہیں)، مربّع (ہر بند میں چار مصرعے ہوتے ہیں)، مخمّس (ہر بند میں پانچ مصرے ہوتے ہیں)، مسدّس (ہر بند میں چھے مصرے ہوتے ہیں)، مسبّع (ہر بند میں سات مصرے ہوتے ہیں)، مثمّن (ہر بند میں آٹھ مصرے ہوتے ہیں)، متسّع (ہر بند میں نو مصرے ہوتے ہیں) اور معشّر (ہر بند میں دس مصرے ہوتے ہیں)۔

ترکیب بند اور ترجیع بند : ترکیب بند اور ترجیع بند میں زیادہ فرق نہیں ہے۔ ترکیب بند میں ٹیپ کا شعر ہر بار بدلتا ہے جبکہ ترجیع بند میں ٹیپ کا شعر تبدیل نہیں ہوتا۔ ہر بند کے آخر میں جوں کا توں دہرایا جاتا ہے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ہر بند کے آخر میں صرف ایک مصرع ہی بار بار لایا جاتا ہے۔ اس میں مثالیں بہت کم ہیں۔ نظیؔر اکبرآبادی کی نظم 'بنجارہ نامہ' اس کی ایک مشہور مثال ہے۔

ترکیب بند میں عام طور پر پانچ سے گیارہ تک اشعار ہوتے ہیں۔ ہر بند میں غزل کی طرح مستقل قافیہ ہوتا ہے لیکن ہر بند کا قافیہ دوسرے بند سے مختلف ہوتا ہے۔ پورے ترکیب بند کا ایک ہی بحر میں ہونا ضروری ہے۔ ہر بند کے آخر میں ٹیپ کا شعر ہوتا ہے جس کا وزن تو باقی نظم کے موافق ہوتا ہے لیکن اس کا قافیہ مختلف ہوتا ہے۔ اس شعر کے دونوں مصرعے ہم قافیہ ہوتے ہیں اور ٹیپ کا یہ شعر ہر بند کے آخری شعر سے مربوط ہوتا ہے۔

غزل - ۷

ظفؔر گورکھپوری

پہلی بات : ۱۹۶۰ء کی بات ہے۔ بنگال میں قحط جیسے حالات تھے۔ اسی زمانے میں ممبئی کے ایک مشاعرے میں ایک نوجوان شاعر نے جب یہ شعر پڑھا۔

ہاتھ کشمیر بنانے کے لیے اُٹھتے ہیں بھوک کشمیر کو بنگال بنا دیتی ہے

تو مشاعرہ گاہ داد و تحسین کے نعروں سے گونج اُٹھی۔ اس نوجوان شاعر کا نام ظفؔر گورکھپوری تھا جو بعد میں ترقی پسند تحریک سے وابستہ ہوا۔

جان پہچان : ظفؔر گورکھپوری ۵ مئی ۱۹۳۵ء کو ضلع گورکھپور کے گاؤں بیدولی بابو میں پیدا ہوئے۔ وہ بچپن ہی میں اپنے خاندان کے ہمراہ ممبئی منتقل ہوگئے تھے۔ ظفؔر گورکھپوری ترقی پسند شاعروں میں ایک معتبر مقام رکھتے ہیں۔ انھوں نے بچوں کے لیے بھی نہایت خوب صورت نظمیں کہی ہیں۔ 'سچائیاں، تیشہ، وادیِ سنگ، گوکھرو کے پھول، چراغ چشمِ تر، ہلکی ٹھنڈی تازہ ہوا، مٹی کو ہنسانا ہے' وغیرہ ان کے شعری مجموعے ہیں۔ ۱۹۹۳ء میں وہ معلّمی کے پیشے سے سبکدوش ہوئے۔ فلموں سے بھی وابستہ رہے اور فلموں کے لیے گیتوں کے علاوہ انھوں نے قوالیاں بھی لکھیں۔ ۲۹ جولائی ۲۰۱۷ء کو ممبئی میں ان کا انتقال ہوا۔

بدن کجلا گیا تو دل کی تابانی سے نکلوں گا
میں سورج بن کے اک دن اپنی پیشانی سے نکلوں گا

نظر آجاؤں گا میں آنسوؤں میں، جب بھی روؤ گے
مجھے مٹی کِیا تم نے تو میں پانی سے نکلوں گا

میں ایسا خوب صورت رنگ ہوں دیوار کا اپنی
اگر نکلا تو گھر والوں کی نادانی سے نکلوں گا

ضمیرِ وقت میں پیوست ہوں مَیں پھانس کی صورت
زمانہ کیا سمجھتا ہے کہ آسانی سے نکلوں گا

یہی اک شے ہے جو تنہا کبھی ہونے نہیں دیتی
ظفؔر مرجاؤں گا جس دن پریشانی سے نکلوں گا

معانی و اشارات

بدن کجلانا – بدن کا بے رونق ہوجانا
ضمیرِ وقت میں پیوست – مراد کوئی ایسی بات یا تصور جو ہر زمانے میں موجود ہو

مشقی سرگرمیاں

* غزل کا بغور مطالعہ کرکے ذیل کی سرگرمیوں کو ہدایات کے مطابق مکمل کیجیے۔

۱۔ شاعر کے نظر آنے کی جگہ اور وجہ لکھیے۔
۲۔ شاعر نے زمانے کو جو چیلنج کیا ہے اسے واضح کیجیے۔
۳۔ غزل کے حوالے سے اپنوں کی نادانی کا نتیجہ لکھیے۔
۴۔ 'ضمیرِ وقت میں پیوست ہوں میں پھانس کی صورت' مصرعے کے مفہوم کو اپنے لفظوں میں قلم بند کیجیے۔
۵۔ غزل کے قوافی کو ابجدی ترتیب میں لکھیے۔
۶۔ غزل کے قوافی میں دو نئے قافیوں کا اضافہ کیجیے۔
۷۔ غزل کی ردیف لکھیے۔

اضافی مطالعہ

علاماتِ اوقاف

جملوں کے معنی، مطلب، لہجے اور جذبہ و کیف کے اظہار کے لیے اور کچھ مخصوص تحریروں کی شناخت کے لیے اُردو میں مخصوص تحریری نشانات مقرر ہیں۔ ان نشانات کو علاماتِ اوقاف کہتے ہیں۔

.1	ختمہ ۔	مکمل بامعنی جملے کے آخر میں لگایا جاتا ہے۔ مثال: اصطلاح میں اللہ تعالیٰ کی تعریف حمد کہلاتی ہے۔
.2	سوالیہ نشان ؟	سوالیہ جملے کے آخر میں لگاتے ہیں۔
.3	استعجابیہ، فجائیہ، ندائیہ !	(i) تعجب کے اظہار کے لیے ادا کیے گئے جملے، فقرے یا لفظ کے آخر میں۔ (ii) کسی جذبے کے تحت ادا کیے گئے القاب، صوتی الفاظ اور لفظی ترکیب کے آخر میں۔ (iii) ندا یا پکار، اجتماعی خطاب، مخصوص نام کے آخر میں لگاتے ہیں۔
.4	سکتہ ،	جملے میں مختصر وقفے یا ٹھہراؤ کے لیے لگاتے ہیں۔ مثال: انھیں دُھن رہتی تو بس ایک ہی رہتی، تلاشِ حق کی۔
.5	وقفہ ؛	جملے میں سکتے سے کچھ طویل یا لمبے وقفے یا ٹھہراؤ کے لیے۔ مثال: وہ نرم گفتار، خوش مزاج شخص کیپٹن تھا؛ پروین گروپ کے سیاحوں کا رہبر۔
.6	تفصیلیہ :-	کسی چیز کی تفصیل بیان کرنے کے لیے یا کسی تفصیل کی مزید تفصیل کے لیے۔
.7	قوسین ( )	تحریر میں جملۂ معترضہ کے لیے۔ مثال: ہم اپنا غم کسی کو سنا دیں (اپنے کسی دوست کو) تو دل کا بوجھ اُتر جاتا ہے۔
.8	اکہرے واوین ' '	تحریر میں کسی چیز کی اہمیت یا انفرادیت کو ظاہر کرنے کے لیے۔ مثال: اس نے اُنگلی کی پور پر انگوٹھا رکھتے ہوئے 'اِتّی سی' کی صراحت کی۔
.9	دہرے واوین " "	تحریر میں کسی دوسرے کے قول، تقریر، کلام، بیان کو ہو بہو نقل کرنے کے لیے۔ مثال: آپؐ نے فرمایا، "سلمان تم سے بڑھ کر دین سے واقف ہیں۔"

غزل - ۸

مخمورؔ سعیدی

پہلی بات :

۱۔ اپنے انکھاں کی کیفیت کہہ کر — چشم نرگس کتیں رلاووں کیا
۲۔ اندھیری شام کے پردوں میں چھپ کر — کسے روتی ہے چشموں کی روانی

یہ دونوں اشعار آپ جماعت نہم میں پڑھ چکے ہیں۔ پہلا شعر سیّد غلام حسینؔ چشتی (پیدائش : ۱۷۱۸ء) اور دوسرا ناصرؔ کاظمی (پیدائش : ۱۹۲۵ء) کا ہے۔ دونوں شاعروں کے درمیان دو صدیوں کا فاصلہ ہے۔ اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ وقت کے ساتھ اظہار کے انداز اور لفظوں کے انتخاب میں بھی تبدیلیاں واقع ہوتی ہیں۔ آج بھی نئی شاعری کا رنگ قدیم اندازِ سخن سے مختلف ہے۔ ذیل کی غزل میں ’بھیڑ میں اکیلا، دکھوں کی دنیا، نفرت کا وار‘ اور ’خود سے مل کر‘ جیسے فقرے نئی غزل کی نئی زبان میں شمار کیے جاتے ہیں۔

جان پہچان : مخمورؔ سعیدی کا اصل نام محمد خان تھا۔ ۳۱؍دسمبر ۱۹۳۸ء کو وہ ٹونک (راجستھان) میں پیدا ہوئے۔ اُردو میں ایم اے کیا۔ اُردو اکیڈمی، نئی دہلی کے اسسٹنٹ سکریٹری کے عہدے پر فائز رہے۔ انھوں نے ماہنامہ ’تحریک، ایوانِ اُردو اور اُمنگ‘ جیسے رسالوں کی ادارت کے فرائض بھی انجام دیے۔ ۲؍مارچ ۲۰۱۰ء کو ان کا انتقال ہوا۔

مخمورؔ سعیدی کی غزلوں میں نئے دور کے انسانی مسائل اور دُکھوں کا اظہار نئے انداز اور منفرد اسلوب میں ہوا ہے۔ ان کی غزل میں روایتی انداز کے ساتھ جدید لب و لہجہ بھی سنائی دیتا ہے۔ ’آواز کا جسم، واحد متکلم‘ اور ’آتے جاتے لمحوں کی صدا‘ ان کے شعری مجموعے ہیں۔

بھیڑ میں ہے مگر اکیلا ہے — اس کا قد دوسروں سے اونچا ہے
اپنے اپنے دُکھوں کی دنیا میں — میں بھی تنہا ہوں ، وہ بھی تنہا ہے
منزلیں غم کی طے نہیں ہوتیں — راستہ ساتھ ساتھ چلتا ہے
ساتھ لے لو سِپر محبت کی — اُس کی نفرت کا وار سہنا ہے
تجھ سے ٹوٹا جو اک تعلق تھا — اب تو سارے جہاں سے رشتہ ہے
خود سے مل کر بہت اُداس تھا آج — وہ جو ہنس ہنس کے سب سے ملتا ہے

اُس کی یادیں بھی ساتھ چھوڑ گئیں
اِن دنوں دل بہت اکیلا ہے

مشقی سرگرمیاں

* شاعر سے متعلق رواں خاکے مکمل کیجیے۔

۱۔

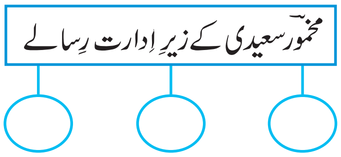

۲۔

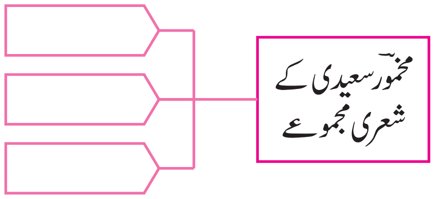

* غزل کا بغور مطالعہ کرکے ذیل کی سرگرمیوں کو ہدایات کے مطابق مکمل کیجیے۔

۱۔ غزل کے شاعر کا اصل نام اور تخلص لکھیے۔

۲۔ اس غزل میں جس ہیئتی جز کی کمی ہے اس کی نشاندہی کیجیے۔

۳۔ شاعر کے مطابق اس کے اکیلے ہونے کا سبب لکھیے۔

۴۔ منزلوں کے طے نہ ہونے کا سبب لکھیے۔

۵۔ ’خود سے مل کر اُداس ہونے‘ کا مفہوم بیان کیجیے۔

۶۔ غزل میں تکرار سے آنے والے الفاظ تلاش کر کے لکھیے۔

۷۔ غزل سے ہم معنی الفاظ تلاش کر کے لکھیے۔

۸۔ غزل میں آنے والے یکساں قافیے لکھیے۔

۹۔ غزل سے تضاد کے اشعار نقل کیجیے اور شعر کے متضاد الفاظ کو نشان زد کیجیے۔

۱۰۔ پسندیدہ شعر کے مفہوم کو اپنے لفظوں میں لکھیے۔

* اشعار کا مطلب بیان کیجیے۔

۱۔ منزلیں غم کی طے نہیں ہوتیں
راستہ ساتھ ساتھ چلتا ہے

۲۔ اس کی یادیں بھی ساتھ چھوڑ گئیں
اِن دنوں دل بہت اکیلا ہے

اضافی معلومات

انٹرنیٹ

انٹرنیٹ پیغام رسانی میں دورِ جدید کی ایک مقبول ترین ایجاد اور ہر قسم کی معلومات کا بیش بہا خزانہ ہے۔ یہ ہمیں تعلیمی، تفریحی، سائنسی اور دوسرے کئی نئے شعبوں سے آگاہ کرتا ہے۔

انٹرنیٹ کی ساخت و بافت پر سب سے پہلے کمپیوٹر سائنس کے پروفیسر لیونارڈ کلائن راک (Leonard Klein Rock) نے مئی ۱۹۶۱ء میں ایک مقالہ پیش کیا۔ اس کے بعد کئی سائنس داں اس کے ارتقا کا ذریعہ بنے۔ انٹرنیٹ ۱۹۶۰ء کی دہائی کے آخری حصے میں کیلیفورنیا میں شروع ہوا۔ پہلا انٹرنیٹ میسیج ۲۱/ اکتوبر ۱۹۶۹ء کو صبح ساڑھے دس بجے لیونارڈ ہی کی لیباریٹری سے بھیجا گیا تھا۔ ۱۹۹۰ء میں انٹرنیٹ عام آدمی کی دسترس میں آ گیا۔ ہندوستان میں اس کا آغاز ۱۹۹۵ء میں ہوا۔ سب سے پہلے اس کو NICNET اور ERNET نامی اداروں نے تعلیمی اور تحقیقی اغراض کے لیے استعمال کیا۔ اس کے بعد بھارت کے عوام میں اس کا استعمال شروع ہوا۔

سماج پر انٹرنیٹ کے استعمال کے اثرات مثبت بھی ہوتے ہیں اور منفی بھی۔ اس کے مثبت استعمال سے سب سے پہلے مواصلات کے شعبے میں انقلاب آیا۔ چنانچہ e-mail کے ذریعے پیغام رسانی آسان اور تیز ہوگئی۔ پہلا ای-میل ۱۹۷۱ء میں رے ٹاملنسن (Ray Tomlinson) نے بھیجا تھا۔

انٹرنیٹ کا اور ایک فائدہ یہ ہے کہ دور دراز کے مقامات کے لوگوں سے رابطہ آسان ہوگیا۔ E-commerce کی وجہ سے اشیا فیکٹری سے راست صارف تک پہنچائی جاسکتی ہیں۔ E-governance اور E-banking بھی آج کل بہت عام ہو چکے ہیں۔

انٹرنیٹ کی افادیت سے کسی کو انکار نہیں لیکن اس کے منفی اثرات سے چشم پوشی بھی نہیں کی جاسکتی۔ اس کا بے جا استعمال جیسے چیٹنگ، سرفنگ وغیرہ وقت کی بربادی اور اخلاق کی خرابی کا باعث بنتا ہے۔

کمپیوٹر کے مسلسل استعمال سے صحت متاثر ہوتی ہے۔ آنکھوں، ہاتھوں، کمر، گردن کے عضلات، ریڑھ کی ہڈی اور ہاضمے پر اس کے مضر اثرات ہوتے ہیں۔ بہتر ہے کہ انٹرنیٹ کے تعمیری پہلو سے استفادہ کیا جائے۔